بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

# اسدالعلماء قاضی قادنؒ

تحقیق وترتیب: محمد نامدارخان بوزئی

مورخہ: ۱۸/مارچ ۲۰۱۲م

سندھ کی تاریخ چاہے وہ سیاسی ہو یا سماجی وثقافتی ہو یاادب کی تاریخ ہو، اسد العلماء الحاج و حافظِ قرآن قاضی قادنؒ فاروقی کے تذکرے کے بغیر نامکمل رہ جاتی ہے ۔ ''آہوانِ صحرا'' جوکہ قاضی صاحبؒ کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ ہے؛ اس میں درج ہے کہ ان کی ولادت ۸۷۰ھ بمطابق ۱۴۶۳ م میں اور وفات ۹۵۷ھ میں ہوئی ۔ صاحبِ کتاب، ان کے سلسلہ نسب کی تفصیل کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ابوسعید قاضی محمد قاسم ایک نامور شخص تھے جو اپنے دور میں صاحبِ فضیلت رہے۔ آپ کے تین بیٹے محمد سعید، عبدالقادر عرف قاضی قاضن اور قاضی نصراللہ ہوئے ۔ قاضن بلند درجہ عالم اور سالکانِ طریقت میں سے تھے۔ اس کے چار فرزند محمد یعقوب، شفیع محمد، عبدالغفار اور محمد صالح بتائے جاتے ہیں ۔ دوسری روایت کے مطابق ان کا ایک بیٹا قاضی عیسیٰ اور ایک بیٹی بی بی فاطمہ (والدہ میاں میرؒ سندھی) بھی معروف ہیں ۔

محمد یعقوب بکھر میں شاہی مفتی کے عہدے پر رہ کرفوت ہوئے۔ان کے تین بیٹے محمد اشرف ،محمد خلیل، اورمحمد رضا تھے۔محمد اشرف نہایت خلیق انسان تھے انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ دہلی میں بسر کیا،خوشنویسی میں اپنی نظیر آپ اور شاعری میں کامل استاد ہو گذرے ۔آپ کا تخلص ''بہجت'' تھا۔ایک رنگین دیوان بطور یادگار چھوڑ گئے ہیں ان کے فرزند ٹھٹھہ میں اہل علم مشہور تھے۔کچھ عرصے شاہی خزانچی بھی رہ چکے تھے۔آپ کے بھائی محمد رضا کے اچھے نصیب تھے ہمیشہ اچھے عہدوں پر فائز رہتے آئے۔ان کے لڑکے محمد نعیم مفتیوں کے سلسلے میں مشہور ومعروف تھے۔ آپ کے بیٹے مولوی عبدالرحیم باپ کی زندگی میں یورپ گئے وہاں سے فارغ التحصیل ہوکرٹھٹھہ واپس آئے جہاں مشہور علماء میں ممتاز رہے۔ان کے تین لڑکے قاضی محمد رضا،میاں نوراحمد اورمحمد نعیم ہوئے۔

مفتی محمد نعیم کے دوسرے بیٹے محمد رفیع ،جہاں آباد میں سکونت پذیر ہوکر خانی کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔احمد شاہ ابدالی کی یورش کے بعد راجپوتانہ چلے گئے تھے لیکن دوبارہ شاہی وکیل کی حیثیت سے یہاں واپس آکرٹھٹھہ میں مقیم ہوئے۔آپ بزرگی اور تقوے کے زیور سے آراستہ تھے چند برسوں کے بعد اپنے بھائی عبدالرحیم کی جگہ مفتی کے عہدے پر مامور رہ چکے تھے۔

محمد یعقوب کے تیسرے فرزند قاضی محمد خلیل ،مخدوم حامد کی اولاد قاضی ابوالبقا کی رشتہ داری کے سبب کچھ عرصہ گرھوڑ میں مفتی کے عہدے پر رہے بعدازاں جہاں آباد جاکرآباد ہوئے ۔قاضی قاضن کے دوسرے

بیٹے عبدالغفار کو بحر العلوم ہونے کے باعث اسدالاعلماء کا لقب عطا ہوا جو بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کرتے رہے۔آپ کے دولڑکے محمد ظہیر اور محمد قیوم تھے۔محمد ظہیر فاضل کامل ہونے کی وجہ سے پہلے ٹھٹھہ میں قضاء اور صدارت کی مسند پر رونق افروز رہے اس کے بعد لاہور کے مفتی مقرر ہوئے پھر یہاں آ کر شان وشوکت کے ساتھ اورنگا بندر میں قضاء اور احتساب کے عہدے پر متمکن ہوئے۔ان کا انتقال لاہور میں ہوا تھا۔ درسی کتابوں پر ان کے بعض حاشیے اب تک یادگار ہیں۔اس کا بیٹا عبدالحیٔ مشہور عالمِ دین تھا جو ٹھٹھہ چلا گیا تھا۔

عبدالغفار اسد العلماء کے دوسرے فرزند محمد قیوم مشہور ومعروف شخصیت کی حیثیت میں اس جہانِ فانی سے گذر گئے۔اس کے دونوں لڑکوں میں سے عبدالرزاق اپنے دونوں بیٹوں میاں محمد اور میاں محمد حفیظ سمیت سورت بندر میں رہ کر دنیا سے کوچ کر گئے۔عبدالرزاق کا بھائی عبدالمالک کافی دنوں تک ٹھٹھہ میں مفتی کے عہدے پر رہ چکا تھا،جب نادری دور (۱۷۴۰ء) آ گیا تب بھی اسی طرح ملازمت کے فرائض انجام دیتا رہا تا آنکہ رحلت کر گیا۔

قاضی قاضن کے ایک لڑکے قاضی عیسیٰ کے متعلق روایت ہے کہ سال ۹۵۰ھ۔۱۵۴۴ء میں جب بخشو لانگھا نے بکھر پر شبخون مارا تو یہ میرزا جانی ترخان اورحمزہ بیگ کی ہمراہی میں مقابلہ کرتے ہوئے جانبازی کے جوہر دیکھا چکے تھے،آخر کار بے نیل ومرام بکھر سے واپس ہوگیا۔‘‘

(بحوالہ صفحات: ۳۹، ۴۰ اور ۴۱؛ آہوانِ صحرا، مولفہ: نیاز ہمایونی)

تاریخِ سندھ کی دیگر کتابوں سے واضح ہوتاہیکہ قاضی قادنؒ صاحب کی ذات میں کئی خوبیاں اور ہستیاں پوشیدہ تھیں۔وہ بیک وقت اچھے قاضی، کامیاب صوبہ دار(گورنر) بلند پایہ فقہیہ، حافظِ قرآن، علم وفنون کی دنیا کے شہسوار، اعلی درجے کے قاری، علم حدیث و تفسیر، اصول فقہ، تصوف، علم معرفت کے سپہ سالار اور سندھی ادب میں باضابطہ شاعری کی ابتداء کرنے کی وجہ سے سندھی شاعری کے جدامجد بھی کہلائے جاتے ہیں۔سندھی زبان کے سب سے پہلے شاعر ہونے کے باوجود ہمیں ان کے کلام کا مکمل مجموعہ کہیں ہاتھ نہیں آتا تھا۔ البتہ آج سے چندسال پہلے، ان کے کلام کے ایک سوبارہ اشعار''ہیروٹھاکر'' نامی ایک ہندوسندھی اسکالر نے''**قاضی قاضن جوکلام**'' کے نام سے دہلی سے چھاپا تھا۔کلام کے اسی مجموعہ کو بعد میں سنہ ۱۹۹۲ء میں انسٹیٹوٹ آف سندھالوجی، جامشورو، سندھ؛ نے بھی چھاپا۔

اسی ضمن میں مزید انکشافات حکومتی سطح پر رسالہ''**مفکرِمہران**'' محکمہ اطلاعات، سندھ، میں اختر انصاری اکبرآبادی کے قلم سے ہوئے۔مضمون کا عنوان ہے''سندھی شاعری کا مختصر جائزہ اور شاہ صاحب'' (یعنی شاہ عبداللطیف بھٹائی)۔انصاری صاحب لکھتے ہیں:

> ''شاہ صاحب کی شاعری پر اجمالی نگاہ ڈالنے سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ مختصر طور پر سندھی زبان کی شاعری کے آغاز سے بھی واقفیت حاصل کرلی جائے۔ایک روایت ہے کہ سندھی شاعری کا آغاز قاضی قادن کی شاعری سے ہوتا ہے۔قاضی صاحب کی شاعری کے آغاز کا زمانہ سولہویں صدی عیسویں کا آغاز بتایا جاتا ہے۔
>
> قاضی صاحب سے متعلق مشہور ہے کہ وہ مہدوی تحریک کے علمبرداروں میں سے تھے اور عوام الناس میں اپنے تبلیغی مشن کا کام شاعری کے ذریعہ لینا چاہتے تھے۔محققین کو انکا زیادہ کلام حاصل نہ ہوسکا چند

دو ہے ہی تلاش وجستجو کا نتیجہ ہیں۔
قاضی قادن کے بعد سندھی کے قابل ذکر شاعر شاہ کریم ہیں۔شاہ کریم بلہڑی والے شاہ بھٹائی (۱۵۳۷ تا ۱۶۲۳ء) کے پردادا تھے۔ خاصے شعرگو اور قادرالکلام شاعر تھے۔ان کا ایک دیوان بھی ہے ان کا شاعرانہ مزاج بھی وہی ہے جو قاضی قادن کا تھا۔
قاضی قادن اپنے نظریے سے قطع نظر،تصوف ومعرفت کے دل دادہ تھے۔قاضی قادن اور شاہ کریم کے بعد آنیوالے اکثر صوفی شعراء کا مزاج بھی یہی رہا ہے۔'' [بحوالہ رسالہ مفکر مہران،صفحہ:۱۴؛ ڈائریکٹریٹ آف محکمہ اطلاعات،ٹھنڈی سڑک،حیدرآباد سندھ]

برسبیلِ تذکرہ عرض ہیکہ شاہ کریم بلہڑی والے،سید یوسف رضوی مہدوی کے مرید تھے جوکہ میاں سید مبارکؒ کے مرید تھے۔شاہ کریم کے فرزند سید جمال ان کے فرزند سید عبدالقدوس اور ان کے فرزند سید حبیب اللہ تارک (الدنیا) اپنے وقت کے مشہور حکیم تھے۔ان کے فرزند شاہ عبدالطیف تھے جن کی بیوی مرزا شاہ بیگ کی بیٹی تھیں جن کی نانی حضرت پیر آسات مہدوی کی نواسی تھیں۔شاہ کریم بلہڑی والے اور ان کی اولاد ''جراڑ پوتا'' (جلال پوتا) کہلاتے ہیں، جن کے حالات مخفی رکھے گئے ہیں۔ان کے علاوہ مذکورہ بالا شخصیت ''شاہ بیگ'' کون تھے؟ یہ بھی مخفی رکھا گیا ہے!اس اخفا کی تفصیل انشاللہ کسی اور وقت بیان کی جائیگی۔

اوپر بیان کردہ ''مفکر مہران'' کے اہم ومختصر حوالہ کے بعد ہم مختلف اوقات میں لکھی گئی چند اہم تاریخی کتابوں میں درج حالات نقل کررہے تا کہ ہمارے ممدوح قاضی قادنؒ کے حالات کی مزید تفصیل حاصل ہوجائے اور ''مہدویہ لٹریچر'' میں پائی جانے والی تشنگی کسی حد تک دور ہو جائے۔

## تاریخِ سندھ المعروف بہ ''تاریخ معصومی'' کا بیان:

صفحہ ۲۷۶، ۲۷۷ اردو ایڈیشن ۱۹۵۹ء (سندھی ادبی بورڈ۔حیدرآباد) اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ سالار جنگ میوزیم میں موجود ہے۔راقم الحروف نے ۲۰۰۷م میں جناب ابوالفتح سید جلال الدین صاحب مرحوم اور جناب صادق محمد خان صاحب کی مدد سے اس کتاب تک رسائی حاصل کی تھی !ویسے ذیل میں جو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے وہ سندھی ادبی بورڈ کے چھاپے گئے مذکورہ اردو اڈیشن سے لیا گیا ہے۔

## قاضی قادن بن ابوسعید بن زین الدین بکھری:

''ان کے بزرگ سیوستان[جس کا موجودہ نام سیہون ہے] کے شہروں میں سکونت رکھتے تھے۔لیکن ان کے جدّ امجد(نگڑ دادا) قاضی ابوالخیر نے جو صاحب حال وفضیلت تھے ٹھٹھہ میں آکر سکونت اختیار کرلی تھی۔قاضی صاحب زہد وتقویٰ سے آراستہ بہت سے بزرگوں کے صحبت یافتہ اور صاحب کشف بزرگ تھے وہ ہر وقت وضائف، طاعت اور عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔علم حدیث تفسیر میں انھیں بڑا دخل تھا۔انھوں نے بہت سے مقامات میں رہ کر علم حاصل کیا تھا۔علم فرائض کی جزیات پر وہ خاص طور پر بڑی مہارت رکھتے تھے۔زیادہ تر عبادت گزاری میں وہ منہمک رہا کرتے تھے۔ان کا شجرہ دو پشتوں کے واسطے کے بعد قادن سے جا ملتا ہے اور اس طرح قاضی قادن بن ابوسعید بن قاضی زین الدین بن قاضی قادن مختلف فضائل علمی سے آراستہ تھے۔قرآن مجید و فرقان حمید انھیں پورا حفظ تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ قرآن اور تجوید

> بھی بہت خوب جانتے تھے۔علم حدیث وتفسیر اصول فقہ،تصوف وعلم آلہ میں بھی وہ کمالِ دسترس رکھتے تھے۔انشا میں وہ اپنے عہد میں یگانہ تھے۔راہ سلوک میں انھوں نے بڑی ریاضتیں کیں تھیں۔وہ حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف تھے۔اس کے علاوہ وہ سید محمد جونپوری کے جوکہ میراں مہدی کے لقب سے مشہور ہیں مریدوں اور عقیدت مندوں کے سلسلہ میں داخل تھے۔اسی وجہ سے عالمان شریعت ان پر طنز کیا کرتے تھے۔شاہ بیگ کے اس دار فانی کے کوچ کر جانے کے بعد مرزا شاہ حسن کے منظور نظر ہوکر وہ بکھر اور اس کے گردونواح کے قاضی کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ان کے پاس جو شرعی مقدمات آیا کرتے تھے ان کے فیصلے میں وہ انتہائی احتیاط،امانت اور دیانتداری کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔آخر میں انھوں نے اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔جس کے بعد یہ عہدہ ان کے بھائی قاضی نصر اللہ کے حوالے ہوا۔قاضی قادن کی وفات سنہ ۹۵۸ھ میں ہوئی۔''

قاضی قادنؒ کی پُر اثر و بے مثال انشا پردازی ان کے اُس خط سے ظاہر ہوتی ہے۔جوکہ انھوں نے تسخیر ٹھٹھہ کے دوران سنہ ۹۲۶ھ میں فاتح سندھ شاہ شجاع بیگ (شاہ بیگ) ارغون کو لکھ کر ٹھٹھہ کو مزید تباہی و تاراجی سے بچالیا تھا۔اس خط کا مضمون ''تاریخ معصومی'' (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ) میں صفحہ ۱۵۶۔۱۵۵ پر اس طرح درج ہے:

> ''قصہ مختصر ۱۱ محرم سنہ ۹۲۶ھ کو شاہ بیگ نے لشکر گاہ کی حفاظت کیلئے ایک جماعت چھوڑ کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈالا اور اس کا فتح نصیب لشکر ایک دوسرے کے پیچھے گروہ در گروہ دریا پار کر کے شہر ٹھٹھہ کے قریب پہنچ

گیا۔ جام نندہ کا منہ بولا بیٹا دریاخان، جام فیروز کوٹھٹھہ میں چھوڑ کر زبردست فوج ساتھ لیکر جنگ کیلئے باہر نکلا۔ دونوں فوجوں کے درمیان اسقدر سخت جنگ ہوئی کہ قلم کی زبان اس کے بیان سے قاصر ہے۔لیکن آخرکار امیر شاہ بیگ فتح مند ہوا۔ جام فیروز دریا پار کر کے فرار ہوگیا اور دریا خان ارغونوں کے قبتاش قبیلے کے ایک تنگر بردی نامی کے ہتے چڑھ گیا اور دوسرے سمہ سپاہیوں کے ساتھ قتل ہوگیا۔ مغل بیس محرم تک شہر میں لوٹ مار کرتے رہے اور وہاں کے باشندوں کو قتل کرتے رہے جس کی وجہ سے آیت مقدسہ **ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسد ھا** ( بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو ویران کرتے ہیں ) کا مضمون نہایت وضاحت کے ساتھ ظاہر ہوا۔ کتنے ہی لوگوں کے اہل و عیال اسیر ہوئے۔ جام فیروز کے بیٹے بھی شہر میں رہ گئے تھے چنانچہ شاہ بیگ کو یہ اطلاع ملی تو اس نے ممتاز افراد کو اس کی حویلی کے دروزاے پر مامور کر کے ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کی۔ بالآخر اس وقت کے ایک جید عالم و فاضل قاضی قادن کی کوشش سے وہ غضب کی آگ سرد ہوئی۔ ہوا یہ کہ قاضی قادن کے اہل وعیال بھی اسیر کر لئے گئے تھے اور وہ دیوانہ وار اپنے بچھڑے ہوؤں کو ٹھٹھہ کی گلیوں میں تلاش کر رہا تھا۔ (لیکن جب اس نے انھیں کہیں نہ پایا تو اس نے ) ٹھٹھہ کی حالت زار کو ایک خط میں تحریر کیا اور وہ خط امام حافظ محمد شریف نے شاہ بیگ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ خط پڑھ کر شاہ بیگ کے دل پر بڑا اثر ہوا اور اس نے منادی کرادی کہ اب اہل ٹھٹھہ کے اہل وعیال کو کوئی بھی ہاتھ نہ لگائے۔ اس کے بعد

اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر (اس نے) قاضی کے حوالے کیا اور
اپنے آدمی اس کے ہمراہ کر کے ارشاد کیا کہ وہ جس کی طرف اشارہ کرے
وہ آدمی اس کے حوالے کر دیا جائے۔'' [صفحہ:۱۵۵اور۱۵۶]

مندرجہ بالا واقعہ میں دریا خانؒ مہدوی کی شہادت کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ پروفیسر غلام رسول اکرم سومرو لکھتے ہیں کہ دریا خان کو سازش کے تحت مروایا گیا۔ (بحوالہ ''مخدوم بلال'' صفحہ:۳۰۵)

## ''تحفۃ الاکرام'' میں قاضی قادنؒ کا تذکرہ:

''تاریخ معصومی'' کے کئی سال بعد لکھی جانی والی تاریخ میر علی شیر قانعؔ کی معرکۃ الآرا کتاب **''تحفۃ الاکرام''** میں حضرت قاضی قادنؒ کا تذکرہ ان کے والد قاضی ابوسعید بکھری کے تذکرے کے بعد کچھ اس طرح درج ہے:

''انکے فرزند قاضی قادن (اپنے) وقت کے سرگروہ ہو گزرے ہیں۔
وہ ہر طرح کی فضیلتوں سے آراستہ تھے اور حافظِ قرآن (ہونے کے ساتھ
ساتھ) علم قرأت کے بھی ماہر تھے۔ فقہ، تفسیر، حدیث تصوف، تعویذات
اور انشا پردازی میں انھیں کمال حاصل تھا اور راہ سلوک میں انھوں نے
بڑی سخت ریاضتیں کیں تھیں۔ حرمین شریفین کی زیارت کر کے انھوں
نے کافی سیر و سیاحت کی تھی۔ آخر میں یہ سید محمد جونپوری کے مریدوں
کے زمرہ میں شامل ہو گئے تھے جس کی وجہ سے علماء ظاہری ان پر طعن کیا
کرتے تھے۔ مرزا شاہ حسن سے بکھر کے قضا [کا منصب] حاصل کر کے یہ
اپنے آبائی وطن [بکھر] چلے گئے جہاں طویل عمر کو پہنچ کر (خود) مستعفی ہو گئے
اور (یہ منصب انھوں نے) اپنے بھائی قاضی نصر اللہ کے حوالے کیا۔ سنہ

۹۵۸ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

[صفحہ: ۴۳۳، تحفۃ الاکرام، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو]

واضح رہے کہ قاضی قادنؒ سندھ میں سنہ ۹۰۶ھ میں تصدیقِ مھدیؑ سے مشرف ہو چکے تھے جبکہ شاہ بیگ ارغون، اس کے والدِ محترم امیر ذوالنون اور شاہ بیگ کے فرزند شاہ حسن ارغون سنہ ۹۰۸ھ میں خراسان میں تصدیقِ مھدی علیہ السلام سے مشرف ہوئے تھے۔

## ''تاریخ سکھر'' (سندھی) میں درج قاضی قادنؒ سے متعلق معلومات:

علامہ قاضی قادنؒ کے بارے میں ''تاریخ سکھر'' مولفہ رحیم داد خان مولائی شیدائی۔ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ جام شورو ۱۹۹۲ء کے صفحہ نمبر۱۱۲ پر درج شدہ سندھی مضمون کا ترجمہ یہ ہے۔

> ''قاضی قادن بن قاضی ابوسعید بن زین الدین اصل سیوہن کے رہنے والے تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ قاضی ابوالخیر بکھری کے بیان میں یہ لکھ چکا ہوں کہ قاضی صاحب تفسیر، حدیث کے جید عالم تھے اور ہر وقت عبادت الٰہیٰ میں مصروف رہا کرتے تھے۔ قرآن کے حافظ اور فن قرأت کے ماہر تھے۔ اصول فقہ، تصوف اور علم آلات میں وافر دخل رکھتے تھے۔ سلوک کی وادی میں ریاضت کرنے کے بعد لذت آشنا ہو چکے تھے۔ انشا پردازی کے ثبوت میں انکے لکھے خط کا اشارہ / حوالہ دے چکا ہوں کہ جس وقت شاہ بیگ کا ارغونی لشکر ٹھٹھہ میں غارتگری کر رہا تھا اسوقت قاضی صاحب کے خط لکھے جانے سے اہل ٹھٹھہ کو قیامت صغریٰ سے نجات ملی تھی۔ قاضی صاحب سید محمد جونپوری کے مرید تھے۔ جن پر علماء وقت نے

بڑے اعتراضات کئے تھے۔ جنکا قاضی صاحب نے اپنے اشعار میں جواب دیا تھااور یہی اشعار سندھی شاعری کے اوائلی جواہر پارے ہیں۔ قاضی صاحب کو شاہ بیگ ارغون نے اپنا خاص مشیر مقرر کیا تھااور شاہ بیگ کے انتقال کے بعد مرزا شاہ حسن نے انھیں بکھر کا قاضی مقرر کیا تھا اوراس عہدے کو انھوں نے نہایت احتیاط کے ساتھ نبھایا۔کتنی ہی بار حج کیا۔ مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران شیخ عبداللہ متقی بن مولانا سعددر بیلوی کی صحبت میں رہے۔۹۵۸ھ میں وفات پائی۔مرزا شاہ حسن نے ان کے بعدان کے بھائی نصراللہ کوبکھر کا قاضی مقرر کیا۔حضرت قاضی قادن عالم، فاضل،شاعر، جادو بیان،صوفی باصفاءاور ہنرمند ہوگزرے ہیں۔''

تاریخ کی اسی کتاب کے صفحہ ۴۸۵ پر سکھر کے سندھی، سرائیکی اوراردوشعراء کے باب میں انکا ذکران الفاظ میں دہرایا گیاہے۔

ترجمہ: ''سکھر کی سرزمین کوفخر ہے کہ سندھی زبان کے اوائلی شاعر قاضی قادن جن کے شعرسب سے پہلے تحریر میں آئے۔ جام نظام الدین سمہ اور مرزا شاہ حسن ارغون کے ایام میں بیس سال تک بکھر کے قاضی رہے۔۹۴۷ھ میں استعفیٰ دے دیااور مدینہ منورہ چلے گئے اور وہاں اچھا وقت گزارا۔ سندھی شاعری کی تاریخ کا آغاز، قاضی قادن کی شاعری سے شروع ہوتا ہے۔ جب وہ میراں محمد مہدی جونپوری کے مرید ہوئے اس وقت علماء وقت نے قاضی صاحب پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔انکے جواب میں قاضی صاحب نے سنجیدگی سے مناظرہ کیا۔عالموں کواشعار کے ذریعہ جواب دیا کرتے تھے۔جن میں سے صرف سات

اشعار شاہ کریم بلھڑی والے کے رسالے ''بیان العارفین'' میں موجود ہیں۔''

معروف آنجہانی مورخ اعجاز الحق قدوسی نے تاریخ سندھ جلد دوم مطبوعہ اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۹۵ء (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) صفحہ ۱۰۲ پر قاضی قادنؒ کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ میں تاریخ معصومی کے حوالے سے کیا ہے۔

## ''تاریخ سندھ'' مولفہ اعجاز الحق قدوسی کا بیان:

''قاضی قادن ارغون دور کے مشہور علما میں تھے۔ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔قاضی قادن بن ابوسعید بن قاضی زین الدین بھکری بن قاضی قادن کیونکہ ان کے جداعلیٰ کا لقب قاضی قادن تھا اسی نسبت سے یہ بھی قاضی قادن کہلائے۔قاضی قادن کے بزرگوں میں سب سے پہلے قاضی ابوالخیر سندھ تشریف لائے اور بکھر میں متوطن ہوئے اس کے بعد اس خاندان کے دوسرے افراد نے ٹھٹھہ اور سیوستان کو اپنا وطن بنایا۔قاضی قادن بھی اپنے علم وفضل کے اعتبار سے ارغون عہد کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔حافظِ قرآن مجید تھے۔قرآن وتجوید، حدیث، تفسیر، فقہ، تصوف اور دوسرے علوم میں غیر معمولی تبحر رکھتے تھے۔فن انشاء میں تو ان کی مثال ہی نہیں ملتی تھی۔وادئ سلوک میں بے حد ریاضتیں کی تھیں۔حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور بہت سیر وسیاحت کی تھی چونکہ سید میراں مہدی جونپوری کے مرید تھے اس لئے اس دور کے اکثر علماء ان کے مخالف تھے۔شاہ بیگ کی وفات کے بعد شاہ حسن ارغون نے ان کو بکھر کا قاضی بنایا تھا مقدمات کے فیصلوں میں کمال احتیاط اور تمام شرعی امور کو پیش نظر رکھتے تھے۔ آخر میں پیری کی وجہ سے مستعفی ہو گئے اور ان کی جگہ انکے بھائی قاضی نصر اللہ مقرر ہوئے۔قاضی قادن نے ۹۵۸ھ (۵۲۔۱۵۵۱ء) میں وفات پائی۔'' (جلد دوم صفحہ:۱۰۲)

## ''گلزارِابرار'' کا بیان:

عہد جہانگیری کی مشہور و معروف کتاب ''اذکار ابرار'' ہے جس کا اردو ترجمہ ''گلزار ابرار'' کے نام سے اسلامک بک فاؤنڈیشن ۲۴۹۔این، سمن آباد لاہور سے شائع کیا گیا۔ اس کتاب کے مصنف محمد غوث شطاری مانڈوی ہیں۔ اس کتاب میں ایک ہزار سے زائد بزرگان دین اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کے حالات ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۷۵ پر حضرت قاضی قادنؒ کا تذکرہ اس طرح درج ہے:

### ''یاد قاضی قادن سندھی رحمۃ اللہ''

''آپ تحصیلِ علم سے فراغت پانے کے بعد رسمی علوم سے برداشتہ خاطر ہو گئے تھے اور تبدیل اخلاق کے ذریعہ سے عالم اجسام کا (دنیاوی) معمہ حل کرنے کی تلاش ہوئی۔ نفس کی لڑائی کے ذریعے سے اس معمہ کو حل کرنے میں کامیاب ہوئے اور اشیاء کی حقیقتیں آپ کی چشم شہود میں نظر آ گئیں۔ یہ چند کلمے آپکی باتوں کا ماحاصل ہیں جن کو سندھی زبان میں آپ نے اپنے مسلک کی طرز پر نظم کیا تھا:

۱) آپ نے فرمایا کہ کنز اور قدوری پڑھنے سے معرفت کی مہک ذرہ برابر بھی میرے دماغ میں نہیں آتی اور حصولِ مکتب جو ہوا تو اس عالم کے پرے ہوا۔

۲) تمام زبانوں میں کلمہ 'لا' سے تیری نفی کی گئی ہے اور تو ہنوز اپنے اثبات کے درپے ہے۔

۳) 'لا' کس کی نفی کرتا ہے۔ جب ماسوائے حق ہستی ہی نہیں رکھتا۔

۴) ہم جس کے مشتاق ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ ہم ہی ہیں۔

اس قسم کی آپ کی باتیں اس سے زیادہ ہیں کہ لکھنے سے ختم نہ ہوں اور ہر بات کی لطافت اسی زبان کے طرز کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے کہ جس زبان میں وہ بات ہوتی ہے۔ ترجمہ کے قالب میں وہ لطافت قائم نہیں رہ سکتی ہے۔'' (گلزار، ابرار؛ صفحہ: ۲۷۵)

## دورِ جدید کی معروف کتاب ''جدید سندھی ادب'' کی مندرجات:

اس عمدہ کتاب کے مصنف ایک انتہائی سنجیدہ مزاج و دیانتدار محقق سید مظہر جمیل صاحب ہیں۔ اکیڈمی بازیافت، کراچی نے مذکورہ بالا کتاب سنہ ۲۰۰۴ م میں چھاپی ہے۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ اس تحقیقی مضمون سے قارئین کی تشنگی یقیناً دور ہوگی۔ ملاحظہ ہو:

''سندھی زبان کے پہلے شاعر جن کا احوال ذرا تفصیل سے ملتا ہے اور جن کا کلام بھی اب وافر مقدار میں دستیاب ہے، قاضی قاضن تھے جو ارغون عہد میں موجود تھے۔

قاضی قاضن جنہیں قاضی قادن بھی لکھا جاتا ہے سندھی زبان کی کلاسیکی روایت شعری کے پہلے شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ انہیں قاضی قادن لکھتے ہیں ڈاکٹر داود پوتا ''تاریخِ معصومی'' اور ''تحفۃ الکرام'' کی بنیاد پر قاضی قاضن کہتے ہیں۔)

قاضی قاضن کے جد امجد قاضی ابوالخیر سیہون سے ترکِ مکانی کر کے بکھر میں جا آباد ہوئے تھے اور ۱۵۲۰ م میں شاہ بیگ ارغون نے ٹھٹھہ پر حملہ کیا تو قاضی قاضن کا خاندان بھی ٹھٹھہ میں رہائش پذیر تھا۔ قاضی صاحب کو ارغون حکمران کے دربار اور مجالس میں قربِ خاص حاصل تھا کہ دونوں ہی مہدوی فرقے کے بزرگ سیّد میراں محمّد جونپوری

کے ہاتھ پر بیعت تھے اور انہیں کی سفارش پر شاہ بیگ ارغون نے ٹھٹھہ میں قتل و غارت گیری فوری بند کروادیا تھا۔شاہ حسن ارغون کے عہد میں انہیں بکھر کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا تھا۔وہ کم وبیش بیس سال اس عہدے پر فائض رہے لیکن آخری عمر میں مستعفی ہو کر مدینہ منورہ چلے گئے تھے اور وہیں پر وفات پائی (۱۵۵۸ م) قاضی قاضن صرف عربی اور فارسی ہی کے عالم نہ تھے بلکہ اسلامی تعلیمات ،فقہ، تفسیر حدیث و منطق میں بھی ماہرانہ دسترس رکھتے تھے۔

ابتدا میں قاضی قاضن کے صرف سات ابیات شاہ لطیف بھٹائی کے جد امجد شاہ کریم بلڑی کی مرتب کتاب ''بیان العارفین'' کے توسط سے دستیاب ہوئے تھے۔ان سات ابیات کو ڈاکٹر علامہ داؤد پوتا نے سندھی زبان وثقافت کے آسمان پر جھلملاتے ستاروں سے تشبیہ دی ہے اور سندھی مشاہیر (لال سنگھ راجوانی ،رحیم داد خان مولائی شیدائی) بالعموم قاضی قاضن کے کلام کی عدم دستیابی پر محض کفِ افسوس ملتے ہوئے اسے سندھی شعر وادب کی بدقسمتی پر محمول کیا کرتے تھے لیکن ۱۹۷۸ م کے آس پاس بھارت کے صوبہ ہریانہ کے بھوانی ضلع کے رہتک شہر سے چالیس میل کے فاصلے پر واقع ایک گوٹھ ''راٹیلا'' کے ایک مندر کے ذخیرے سے دیوناگر رسم الخط میں لکھی ہوئی ایک بیاض ''سنتوں کی وائی'' دستیاب ہوئی ہے۔ مذکورہ پوتھی گرنتھ صاحب (بیاض) میں قاضی قاضن کے نام سے منسوب ایک سو بارہ اشعار ابیات کی صورت میں شامل ہیں جنہیں قاضی قاضن کی باقیات خیال

کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بیاض کی دریافت کی بابت آل انڈیا ریڈیو سے یہ خبر سننے کے بعد ہندوستان میں سندھی کے مشہور شاعر ہیرو جیٹھ لال ٹھکر نے سخت محنت اور کاوش سے ان ابیات کی فوٹو کاپی حاصل کی اور انہیں ہندوستان میں موجود سندھی کے جید ادیبوں ، محققون اور دانشوروں کے سامنے پیش کیا۔ان لوگوں میں دادا جے رام داس دولت رام ، دہلی یونیورسٹی کے شعبہ سندھی کے سربراہ ڈاکٹر مرلی دھرن جیٹلے ، بزرگ شاعر نارائن شیام ، ڈاکٹر موتی لال جوٹ وانی ، ڈاکٹر پرسی گڈوانی وغیرہم شامل تھے جنہوں نے ان ابیات کی اندرونی ساخت اور بعض دوسرے شواہد کی بنا پر مذکورہ ایک سو بارہ اشعار کو قاضی قاضن کی تخلیق قرار دیا۔ چناچہ نو دریافت شدہ استعار کو ہیرو جیٹھ لال ٹھکر نے دہلی سے ’’قاضی قاضن کی شاعری‘‘ کے نام سے ۱۹۷۸ء میں شائع کروایا۔

تاریخِ ادبِ اردو کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جس زمانے میں قاضی قاضن سندھی میں شاعری فرمارہے تھے اسوقت ابھی شمالی ہندوستان میں اردو شاعری کا اکھوانہ پھوٹا تھااور قدیم دکنی گجری روایت ہی اردو شاعری کی اساس بنی ہوئی تھی۔ابدی ماحول پر فارسی زبان اور شعریات کا مکمل تصرف تھا۔’’تاریخِ اردو ادب‘‘ کے مصنف ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق یہ اردو شعروادب کا’’بہمنی‘‘ یا’’عادل شاہی‘‘ دور تھا جس میں گجری اور ہندی روایتِ سخن کو فارسی روایت پر نسبتاً غلبہ حاصل تھا۔

اس نوخیز ذخیرے کی خبر نے پاکستان میں بھی سندہی ادیبوں اور محققوں کو حیرت زدہ کردیا اور یہاں بھی ان پر جانچ پرکھ کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ مشہور محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے اپنی کتاب ''سندہی بولی ائیں ادب جی تاریخ'' (مطبوعہ: ۱۹۹۰م) میں ان اشعار کی مزید چھان پھٹک کے بعد ان میں سے صرف ستتر اشعار کو قاضی قاضن کی تخلیق قرار دیا جبکہ باقی ابیات کی بابت مزید تحقیق و چھان پھٹک کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ پاکستان میں قاضی قاضن کے نو دریافت ایک سو بارہ ابیات پر مشتمل کتاب ''قاضی قاضن جو کلام'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔جس میں تاجل بیوس کا تحریر کردہ ایک تفصیلی مقالہ بطور پیش لفظ شامل کیا گیا ہے، تاجل بیوس کا مذکورہ مقالہ بجائے خود سندہی ادبی تنقید میں اہمیت کا حامل ہے۔

قاضی قاضن کے نو دریافت ایک سو بارہ ابیات کا حصول اور اشاعت دراصل سندہی ادب میں ایک نہایت مہتمم بالشان تاریخی واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس ایک دریافت سے سندہی شاعری کی تاریخ میں بقول تاجل بیوس کم ازکم چارسو صدیوں کا اضافہ ہوجاتا ہے کیونکہ ان اشعار کی دریافت سے پہلے اٹھارہویں صدی کے شاہ لطیف بھٹائی کو چودہویں اور پندرویں صدی کے ہندی، راجستھانی اور گجراتی شاعروں کے ہم پلّہ شاعر شمار کیا جاتا تھا مگر اب قاضی قاضن کے کلام کی دریافت قاضی قاضن کو مذکورہ بالا زبانوں کے ہم عصر شاعروں کا ہم سر بنادیا ہے۔جس کا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ

قاضی قاضن کے شاعری ہندی، راجھستانی اور گجری شعری روایت
کے زیادہ قریب ہے۔
بے شک قاضی قاضن کے کلام کی دریافت نے شری ہری جیٹھ لال ٹھکر سندہی زبان وادب کے محسنوں میں شامل کردیا ہے اوران کا یہ احساس کہ انہیں قاضی قاضن کے ایک سو بارہ اشعار کی صورت میں گویا ''اپنے اسلاف سے ہیروں اور موتیوں کا ایک بے بہا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے۔'' قاضی قاضن کی شاعری پر تصوف کا غلبہ ہے۔لیکن دنیاوی مسائل اور اردگرد کی صورتحال کی جھلک بھی دیکھائی دیتی ہے۔وہ عملی زندگی میں نہایت ذمہ دار عہدے پر متمکن تھے اوران کا واسطہ دربارِ سرکار سے بھی رہا ہے لیکن انہوں نے اپنی شاعری کو اس فضاء سے محفوظ رکھ کر عوامی جذبات واحساسات کی ترجمانی کو اہمیت دی ہے ۔ قاضی قاضن عربی و فارسی کے عالم بھی تھے لیکن ان کی شاعری میں تشبیہات، علامتیں اور ماحول سندہی معاشرے سے مستعار ہے اور اس طرح قاضی قاضن نے ابتداء ہی سے اپنی شاعری میں زمینی رشتہ کو مظبوطی اور استحکام بخش دیا تھا۔قاضی قاضن کی شاعری وقت گزاری اورشوقیہ اظہار کی شاعری نہ تھی بلکہ ان کے ہر بیت میں عمیق فکری موضوعات کی تپش ہے۔تاریخِ معصومی اورتحفۃ الکرام میں قاضی قاضن کا ذکر نہایت احترام سے کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے عہد میں قاضی صاحب سرکاری حلقوں کے علاوہ عوام میں بھی مقبول تھے۔ ہیرو جیٹھالال ٹھکر کا کارنامہ صرف یہ نہیں ہیکہ

انھوں نے قاضی قاضن کے کلام کی بازیافت کی ہے **بلکہ انھوں نے قاضی قاضن پر تشریحی مضامین کا سلسلہ بھی شروع کرر کھا ہے جس نے قاضی قاضن کو ایک مرتبہ پھر سے خاص وعام میں مقبول کردیا ہے** ۔بقول تاجل بیوس، قاضی قاضن کی شاعری میں پنجابی شاعری اور زبان کے اثرات بھی دیکھے جاسکتے ہیں اور ہندو اور سکھ گرنتھی عقائد کے لیے بھی گنجائشیں نکلتی ہیں۔اس لیے ان کا کلام ہندوؤں اور سکھوں میں بھی مقبول رہا اور ان کے کلام سے عقیدت مندی ہی کی وجہ سے ایک قلمی ذخیرہ برآمد ہوا ہے۔اس صورتِ حال سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سندھ کی کلاسیکی شاعری میں تصوف کے خیالات کے باوجود ایک عجب طرح کی مذہبی کشادگی ، بلندنظری،اور وسعتِ خیال موجود رہی ہے۔

قاضی قاضن کے کلام میں روایتی سادگی ، بے ساختگی کے ساتھ عمیق گہری فکر کا بھی احساس ہوتا ہے۔'' (صفحہ:۳۲۴ سے ۳۲۷)

ہندوؤں اور سکھوں میں مذکورہ مقبولیت کی پہلی وجہ یہ ہے کہ سندھ کے ایک مشہور ہندو فرقہ ''دادوپنتھی'' کے رہنما دادودیال سنگھ حضرت قاضی قادنؒ سے ''گہری عقیدت وارادتمندی'' رکھتے تھے۔یہ بات بھی قارئین کے علم میں آنا چاہیے کہ دادودیال سنگھ کے نام پر سیہون کے علاقہ میں کاہہ سے بیس میل شمال مغرب میں شہر ''دادو'' آباد ہوا جو آج بھی اسی نام سے موجود ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسی قسم کی ''عقیدت مندی وارادت مندی'' قاضی قادنؒ کے نواسے حضرت میاں میرؒ کو پنجاب میں سکھوں نے دی۔بلکہ انھوں نے تو میاں میرؒ کے ہاتھوں

اپنے عبادت خانے یعنی ''گولڈن ٹیمپل'' کا سنگِ بنیاد رکھوایا اور آج بھی ہر سال جب یہ گرو نانک کی زیارت کے لیے لاہور آتے ہیں؛ میاں میرؒ کی زیارت بھی پابندی سے کرتے ہیں! مزید یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ ان لوگوں نے گولڈن ٹیمپل میں گرو نانک کے چولے کیساتھ میاں میرؒ کا چولا بھی محفوظ رکھا ہوا ہے اور ہر سال لوگوں کو اس کی زیارت کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ اس سالانہ زیارت کو یہ لوگ باعثِ خوش بختی جانتے ہیں۔

حضرت قاضی قادنؒ کے کلام میں سکھوں اور ہندوں کے اس خاص فرقہ کے لیے جس گنجائش کا تذکرہ اوپر بیان کیا گیا ہے اسکی وجہ راقم کی ناقص معلومات کے تحت یہ ہیکہ یہ لوگ اللہ کی وحدانیت، وَلایت الٰہیہ، ذکرِ دوام اور عشقِ الٰہی و دیدارِ الٰہی کے قائل ہیں۔ [واللہ اعلم]

آخر میں ہم اپنے محترم قارئین کے ذوقِ مطالعہ کے لیے حضرت قاضی قادنؒ فارقی کے چند اشعار ''آہوانِ صحرا'' سے نقل کر رہے ہیں؛ ملاحظہ ہو:

نیند میں گم سم پڑا ہوا تھا، آن جگایا جوگی نے
رازِ الستی مجھے بتا کر، مست بنایا جوگی نے
اتر گیا جو میل تھا من پہ، نکھر گیا یوں رنگ مرا
ہو گیا کندن ظاہر و باطن، روپ ہوا خوش رنگ مرا

تو ہی اپنا ہادی اور رہبر، تجھ سے ہی وہ راہ ملے
جس پہ چلتے چلتے اک دن اپنے من کا شاہ ملے
تیرے ہی احسان سے اس عرفان سے، ہم آگاہ ہوئے
جس کی بدولت ہم، کم سے کم تر لمحوں میں ذی جاہ ہوئے

سو یا ہوں یا بیٹھا ہوں یا چلتا پھرتا رہتا ہوں
کھاتا پیتا رہتا ہوں یا جو کچھ کرتا رہتا ہوں
میرے داتا میرے دھنی میں تیرا دم بھرتا ہوں
تیرے ہی گن گاتا ہوں اور تیری ہی باتیں کرتا ہوں

لاکھوں بار توجہ سے قرآن پڑھا ہے لوگوں نے
اور اس زعم میں جیسے بڑا ہی کام کیا ہے لوگوں نے
لیکن اکثر ان میں سے، اک ذرّہ بھی نہ جان سکے
اور نہ اپنے آپ کو، ایسے پڑھنے سے پہچان سکے

کنز قدوری کافیہ پڑھتے اپنی عمر تمام ہوئی
کچھ بھی پڑھنے سے نہیں پایا، ہر کاوش ناکام ہوئی
وہ تو کوئی اور نگر ہے جہاں پہ ساجن بستے ہیں
کٹھن ڈگر کو پار کریں جو، وہی اس سے جا ملتے ہیں

ہو کر اپنی دھن میں مگن، تم لاکھ کتابیں پڑھتے ہو
لیکن یہ تو بتاؤ، ان سے کوئی سبق بھی لیتے ہو
رکھنا یاد کہ ان سے کوئی لابھ نہ پاؤ گے تب تک
اپنے تئیں اس یار کے ہاں تم پہنچ نہ جاؤ گے جب تک

عش نہیں ، تجھے درد نہیں ، کوئی زحمت تو نے اٹھائی نہیں
وصل کی دولت پائی نہیں ، تو نے ہجر کی ٹھوکر کھائی نہیں
تیرا دل ہے کالے پتھر کا، نہیں جس میں زیست کی گرمی کچھ
ترے بھاگ میں باقی رہ گئی ہے ابوالہوسوں جیسی خوش فہمی

الگ ہوئے جو اپنے آپ سے، جا کر ان کے چہرے دیکھ
عشق نے ہیں کس ڈھب سے سجائے ان پر نور کے سہرے دیکھ
جس دن کو یہ صدا سنی ، ہم اس دن اس پے فدا ہوئے
ساجن سے یوں ملے کہ اب تک، کبھی نہ اس سے جدا ہوئے

جگ کو سنواریں جو سامی ، وہ جگ میں آباد ابھی
گھوم رہے ہیں نگر نگر اور گلی گلی آزاد ابھی
ان سے جو بھی مانگے گا ، وہ ان کا دامن بھر دیں گے
سارے بھید ہیں ان کے پاس جو پوچھے ظاہر کر دیں گے

بھٹے میں جب اینٹ جلے اور جل کر پختہ ہو جائے
محلوں کی بنیاد بنے ، دیوار کا پشتہ ہو جائے
تو بھی اپنے آپ کو پختہ کر ، دکھ کے انگاروں میں
تا کہ وہ سانول کرے شمار تجھے بھی اپنے پیاروں میں

جن کے من میں محبت ہے وہ مر گئے تب بھی زندہ ہیں
نہیں جن میں یہ جوہر ہے، وہ جیتے جی بھی مردہ ہیں
پیار کی شمع جلا دی جس نے اپنے دھندلے اندر میں
ساجن ہوگا ہر طرح ساکن جیسے دیوا مندر میں

طوفان کی زد میں آ کر، کشتی ٹوٹ چکی ہے تو
تُو ہے حوالے موجوں کے، تری قسمت پھوٹ چکی ہے تو
رکھ تو بھروسہ اپنے آپ پے، ہمت ہار نہ تو
زور لگا لے بازؤں کا، اور کسی کو پکڑ نہ تو

تیرے اندر جلوہ اس کا، پھر بھی یوں انجان ہے تو
نیند سے جاگ کے دیکھ ذرا، کیوں بت سدھ اور بیجان ہے تو
یہیں پہ ہے موجود وہ جس کی جگ مگ جلوہ نمائی ہے
یہیں پہ مکّہ یہیں پہ ملتان، یہیں پہ ساری خدائی ہے

دونوں جھیل میں رہتے ہیں، جو میل نہیں تو ملتے نہیں
کنول کے پاس نہ جائے مینڈک، دونوں اکھٹے ہوتے نہیں
کنول سے واقف ہو جائے جو مینڈک جھیل میں رہتے ہوئے
کبھی نہ مٹی کھائے وہ، پاتال میں پھرتے مارے ہوئے

اپنے آپ پے اترانا اور اپنا ہی دم بھرنا کیا
چھوڑ دے ایسی باتیں، رتبہ اوروں کا کم کرنا کیا
پیس لے اپنے آپ کو، جیسے چکی پیسے آٹے کو
کیلے پہ ہو ہاتھ ترا، کر زیر اسی سے آپے کو

پہلے اپنے آپ کو پرکھ اور بعد میں اپنے یار کو پرکھ
اپنا پرکھنا سب سے مشکل، پہلے اس دشوار کو پرکھ
ایسے در کی تلاش میں رہ جو تیری پناہ کا ضامن ہو
دھل جائیں سب داغ ترے اور اجلا ترا دامن ہو

اپنا پرایا جو بھی کہے کچھ، من کیوں میلا کرتے ہو
برا کہے جو برا ہے خود وہ، تم کیوں آخر ڈرتے ہو
اچھائی کو آنچ نہیں ہے، نام نہ اس کا مٹتا ہے
چادر چیتھڑ بن جاتی ہے، رنگ تو پھر بھی رہتا ہے

تیرا سائیں سچّا، پھر بھی جھوٹ سے تیرا ناطہ ہے
سچ کے بدلے جھوٹ کا سودا، کیسا تیرا کھاتہ ہے
توڑ دے جھوٹ سے اپنا رشتہ، باز آ مکاری سے
واقف وہ ہے سائیں تیرا، تیری ہر عیاّری سے

اسی خاندان میں سندھ کے چوتھے معروف شاعر یعنی قاضی قادنؒ کے داماد سائیں صاحبڈ نہ کے پوتے عبدالوہاب المعروف بہفت زبان شاعر سچل سرمست (۱۷۳۹تا۱۸۲۷م) پیدا ہوئے ۔ ان کا کلام بھی ہندوؤں میں بہت مشہور ہوا ۔ان کا مزار ''دائرہ دراز'' نزد خیر پور، سندھ؛ میں واقع ہے ۔ دائرہ دراز کی بنیاد حضرت سچل سرمست کے دادا ''سائیں صاحب دنہ'' نے رکھی تھی جن کا اصل نام محمّد حافظ تھا! ''صاحب ڈنہ'' سائیں کی کنیت ہے جو ان کے جدِ امجد پانچویں دادا شہاب الدین کے نام پر رکھی گئی تھی ۔ یہ نام بگڑ کر ''سہاب دینہ'' بنا اور پھر گذرتے وقت کے ساتھ ''ساب ڈنہ'' ہوگیا۔ قاضی قادنؒ کے مخالفین نے اس کو ''صاحبڈ نہ'' اوران کے والد کو قاضی قلندر متعارف کروایا جبکہ قاضی قلندر کا اصل نام قاضی نعمت اللہ ٹھٹھوی عرفیت قاضی قلندر تھی ۔ آج ان حقائق کو سب ہی چھپاتے ہیں! سنہ ۲۰۰۰م تک تو اس درگاہ کے سجادہ نشین ''میراں سائیں'' کہلاتے تھے ۔ دائرہ دراز، چند سال پہلے سندھ کی تمام ادبی اشعاتوں میں ''دائرہ دراز'' یا ''درازا'' ہی لکھا جاتا تھا مگر اب صرف ''دراز و'' لکھا جاتا ہے! الحمدللہ، راقم کو حضرت سچل کی زیارت کا شرف ۱۹۹۵م میں حاصل ہوا تھا۔


**مصادر و مراجع :**

۱۔ تاریخِ معصومی — میر محمد معصوم بکھری، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد سندھ

۲۔ ''تحفۃ الاکرام'' — علی شیر قانع؛ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد سندھ ۔ ۱۹۵۹ء

۳۔ رسالہ ''مفکر مہران'' — ڈائریکٹریٹ آف محکمہ اطلاعات، ٹھنڈی سڑک، حیدرآباد سندھ

۴۔ تاریخِ سکھر (سندھی) — رحیم داد خان مولائی شیدائی، سندھی ادبی بورڈ۔ حیدرآباد

۵۔ گلزارِ ابرار — محمد غوث مانڈوی، اسلامک بک فاؤنڈیشن ۲۴۹۔این، سمن آباد؛ لاہور

۶۔ جدید سندہی ادب — سید مظہر جمیل؛ اکیڈمی بازیافت، کراچی

۷۔ آہوانِ صحرا — نیاز ہمایونی، بھٹ شاہ ثقافتی مرکز کمیٹی، بھٹ شاہ، سندھ